استدلالاتِ حدیث میں علامہ سید احمد سعید کاظمی کا اسلوبِ تحقیق
(مقالاتِ کاظمی کی روشنی میں اختصاصی مطالعہ)

Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi’s Method of Research in Reasoning the Sayings of the Holy Prophet (A Special Study in the Light of Kazmi’s Articles)

Muhammad Wasi Ul Akhlaq
Fazil Jamia Islamia Arabia Anwar ul Uloom Multan
Email: drmfareedsaeedi@gmail.com
Hafiz Muhammad Kashif
PhD Scholar Department of Usool ul Deen University of Karachi
Email: 786kashif2015@gmail.com

Abstract
Allah (عزّوجل) sent the Holy Prophet (ﷺ) as a guide and leader for the guidance of His men and gave him His last book, the Holy Quran. The practical exegesis of the Quran is found in the sayings and traditions of the Holy Prophet (ﷺ). The meaning of the blessed Hadiths of the Holy Prophet (ﷺ) is so comprehensive that The scholars of all eras search for the solution of issues in Shariah from these hadiths. It is a recognized fact if we want to find the solution of the problems which the ‘’Muslim Ummah’’ face today, it is necessary for us to consult “Four Principles of the Muslim Jurisprudence’’ namely, The Quran, the Sunnah, the Ijma-e-Ummah and the Qiyas-e-Shariah. The jurists of Shariah of every age have sought solution of the modren problems from these four principles. Whether it be creeds or Jurisprudential issues; Principles or minor points the argument of each is contained in the Quran. The scholars of Islam safeguard the creeds of the Muslim Ummah and search for the solution of the jurisprudential issues in the light these principles. Fundamental principles and subsidiary issues are all proved by the Quran and the Hadiths. Thus, to solve the modern issues related to Islam, the scholars and the jurists of Islam have been and will continue to reason from the Hadiths till the Day of Judgment. Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi Amruhi is one of the renowned scholars of 20th century who had divine knowledge. He was an al-round personality of his time. He used to explain the solution of any issue in such a way that the questioner, whether he was a religions scholar or philosopher, understood it properly and could not help praising his quality of reasoning. He was a unique scholar of Hadiths and expert in scrutinizing the traditions. He set unrivalled examples of reasoning from the verses of The Holy Quran, hadiths, lexicology, philosophy and logic. He spent his days and nights in the services of hadiths. In this research paper, Allama Syed Ahmed Saeed Kazmi's reasoning of the sayings of the Holy Prophet mentioned in his articles has been researched and its strengths and weaknesses have been evaluated.

Keywords: Four Principles of Jurisprudence, Reasoning of Hadiths, Extraction of Sharia Issues, Acuity, Insight, Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi

تمہید:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کے اقوال و آثار کے معانی و مفاہیم اس قدر جامع اور پر اثر ہیں کہ پیش آمدہ جدید مسائل کا حل ہر دور کے علماء ان اقوال و احادیث کی روشنی میں تلاش کر لیتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے:

نضّر الله امرأ سمع مقالتی فبلّغها فربّ حامل فقه غیر فقیه، وربّ حامل فقه الی من هو افقه منه(1)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے مسرور و شادماں رکھے جو میری ایک بات سن کر اسے دوسروں تک پہنچادے کیونکہ بہت سے فقہ کی باتیں جاننے والے خود فقیہ نہیں ہوتے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیان کرنے والا خود اتنا سمجھ دار نہیں ہوتا جتنا کہ وہ شخص ہوتا ہے جس سے بیان کیا جارہا ہے۔

علماء مجتہدین نے ہر دور کے جدید مسائل کو اصولِ اربعہ (۱) کتاب اللہ، (۲) سنّتِ رسول، (۳) اجماع امت اور (۴) قیاس شرعی) سے استنباط کیا ہے۔ عقائد، فقہی مسائل، اصولیات و فروعیات کے دلائل قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ پس علماء کرام و مجتہدین عظام نے بوقتِ ضرورت جدید پیش آمدہ مسائل کے حل اور اصلاحِ امت کیلئے احادیث نبویہ سے استدلالات کئے، کرتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی (متوفی:1406ھ) بیسویں صدی کے علماء ربانیین میں شمار ہوتے ہیں۔ فقاہت اور حاضر جوابی کا عالم یہ تھا ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کا یوں حل فرماتے کہ سائل معقولات و منقولات کا عالم ہوتا یا کوئی عام شخص، بہر صورت مسئلہ کو سمجھ جاتا اور آپ کے علمی استدلال کی داد دیئے بغیر نہ رہ پاتا۔ آپ ایک بے مثل محدّث اور رواۃ کی جانچ پڑتال میں نباض کے منصب پہ فائز تھے۔ آپ نے اپنے خطبات و مواعظ، تصنیفات و تالیفات میں آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویّہ، قواعدِ لغت، قواعدِ صرف و نحو اور قوانینِ فلسفہ و منطق سے باکمال استدلالات کئے۔

(۱) مطلقاً رؤیتِ باری تعالیٰ کا انکار درست نہیں

رویت باری تعالیٰ کے منکرین کے رد علامہ سید احمد سعید کاظمی نے رسالہ "معراج النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" میں لکھا:

> آیت مبارکہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ(2) سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی نہیں بلکہ ادراک کی نفی ہوتی ہے اور ادراک کے معنیٰ رؤیت نہیں بلکہ ادراک "احاطہ" کو کہتے ہیں اور احاطہ کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو گھیر لینا۔ لہٰذا آیت کریمہ کے معنیٰ ہوئے "تمام آنکھیں اللہ تعالیٰ کو گھیرے میں نہیں لے سکتیں اور اللہ تعالیٰ سب آنکھوں کو محیط ہے

اور سب کو اپنے علم و قدرت کے گھیرے میں لئے ہوئے ہے"۔ پس اس آیت مبارکہ سے اُس رؤیت کی نفی ثابت ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہو جائے لیکن رؤیت بلا احاطہ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك [3] یعنی میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثناء تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔ اس حدیث مبارک میں ثنائے الٰہی کے احصاء اور احاطہ کی نفی ہے معاذ اللہ مطلق ثناء کی نفی نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ثناء نہیں کی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ جس طرح احاطہ ثنائے الٰہی کی نفی سے مطلق ثنائے الٰہی کی نفی ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح رؤیت بالاحاطہ کی نفی سے مطلق رؤیت کی نفی بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ [4]

تجزیہ و تحقیق:

استدلال مذکورہ کے مؤید دو اقوال آپ سے قبل اور بعد کے علماء سے ملتے ہیں:

1_ امام ملا علی قاری (متوفی:1014ھ) نے اپنی کتاب الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود میں بعض متکلمین کا قول نقل کیا ہے جس سے اس استدلال کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

قالوا إن أحدا لا يعرف الله حق معرفته وإن كان نبيا مرسلا أو ملكا مقربا لقوله تعالى { وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلاً }(5)وكقوله سبحانه وتعالى: وَلَايُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (6)وقوله :لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ، ومن هنا قالﷺ :لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك، وقال :لا تتفكروا في ذات الله.[7]

ترجمہ: بعض متکلمین نے کہا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی کما حقہٗ معرفت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ وہ مرسَل نبی ہو یا مقرّب فرشتہ ہو، بوجہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا" کے، نیز اللہ رب العزت کے فرمان "اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے" اور "نگاہیں اسکا احاطہ نہیں کر سکتیں" کے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثناء تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔

2_ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر بن براک بن ابراہیم نے شرح العقیدۃ الطحاویہ میں لکھا ہے:

أعجز الخلق عن أن يحيطوا به، فلا يحيطون به علما كما قال تعالى: وَلا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمَاً فالعباد يعرفون ربهم بما جعله في فطرهم، وبما أوحاه إلى رسله، ومع ذلك هم لا يحيطون به علما، يقول أعلم الخلق بهﷺ: لا أحصي ثناءً عليك أنت كما

أثنيت على نفسك، لا يحيط العباد بما له من الأسماء، وبما له من الصفات، ولا يعلمون كيفية ذاته وكيفية صفاته، وكذلك إنْ رأوه لا يحيطون به رؤية: لا تُدْرِكُهُ الأَبْصَارُ فلا تحيط به الأبصار.[8]

ترجمہ: اللہ رب العزت نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے کہ وہ علم سے اس کا احاطہ کرے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ پس عباد اللہ معرفتِ الٰہی اسی کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں پیدا فرمایا ہے یا جو اپنے رُسُلِ گرامی کی طرف وحی فرمایا، اس سب کے باوجود وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مخلوق میں اَعلم (محمد ﷺ) فرماتے ہیں: میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثناء تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔ عباد اپنے رب کا احاطہ اپنے اسماء و صفات سے نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی ذات و صفات کی کیفیت جان سکتے ہیں، یوں ہی اگر وہ اس کو دیکھیں تو اپنی رؤیت سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) نبی کا اپنی قوم میں اَنسب (عالی نسب) ہونا ضروری ہے

علامہ غلام رسول سعیدی (متوفی: 1437ھ) نے علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف، احوالِ زندگی اور خدمات دین میں کاوشوں پر مشتمل ایک مضمون مرتّب کیا۔ اس میں لکھتے ہیں: 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران مختلف مکاتب فکر کے علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے۔ ایک مجلس میں مولانا ظفر احمد انصاری، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سید ابو الاعلیٰ مودودی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب جمع ہوئے۔ اثناء گفتگو میں حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے فرمایا:

آپ نے اپنی کتاب "الکلام" میں مرزا غلام احمد قادیانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا حسب نسب اپنے زمانہ کے تمام احساب و انساب سے افضل ہو حالانکہ یہ بات بے دلیل ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے کہا، میں نے حدیث شریف کا ترجمہ کیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے: كذلک تبعث الانبياء فی احساب قومهم[9] یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے بہترین نسب سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جس قوم کی طرف نبی مبعوث ہو، اس کا نسب اس قوم میں افضل ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے، نبی کا نسب اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہوتا ہے۔ کہنے لگے: اگر میں نے یہ لکھ دیا تو کیا خرابی

لازم آئی؟۔ حضرت نے فرمایا: خرابی یہ ہے کہ ترمذی شریف میں حدیث ہے: إن الله اصطفى من ولد إبراهيم إسماعيل ، واصطفى من بني إسماعيل بني كنانة ، واصطفى من بني كنانة قريشا ، واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم [10] یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں اسماعیل کو فضیلت دی اور اولادِ اسماعیل میں کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے فضیلت دی۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیم کے دو فرزندوں اسحٰق اور اسماعیل علیہم السلام میں حضرت اسماعیل کا نسب حضرت اسحٰق سے افضل تھا اور جس زمانہ میں نسل اسحٰق سے بنی اسرائیل کے انبیاء مبعوث ہوئے، اس وقت حضرت اسماعیل کی اولاد بھی موجود تھی اور ان کا نسب بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل تھا۔ اب اگر نبی کے لئے ضروری ہو کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے تمام انساب سے افضل ہو تو لازم آئے گا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء، انبیاء نہ رہیں۔ کیونکہ ان کا نسب اپنے زمانہ کے نسب اسماعیل سے افضل نہ تھا اور انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے انکار سے بڑھ کر اور کون سی خرابی ہوگی؟۔ جب حضرت نے یہ ایراد قائم فرمایا تو مولانا ادریس کاندھلوی سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور مجلس وہیں برخاست ہوگئی۔ نیز اگلے ایڈیشن میں انہوں نے اس سے رجوع بھی کر لیا۔[11]

تجزیہ و تحقیق:

عبد الرحمن بن محمد بن قاسم نجدی (م:1392ھ) نے حاشیۃ الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبد الوھاب میں الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبد الوھاب کی عبارت وقريش من العرب کے تحت لکھا:

والعرب هنا المراد بهم:المستعربة، فإن العرب قسمان: عاربة ومستعربة، والعاربة قحطان، والمستعربة عدنان، وهم أفضل من العرب العاربة،كيف ومنهم النبيﷺ،وهو القائل:إن الله اصطفى بني إسماعيل من العرب، واصطفى من بني إسماعيل كنانة،واصطفى من كنانة قريشا،واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم، فأنا خيار من خيار. وقال أبو سفيان لهرقل لما سأله:كيف هو فيكم؟ قال: هو فينا ذو نسب، قال: وهكذا الرسل تبعث في أنساب قومها، يعني: في أكرمها أحساباً.[12]

ترجمہ: یہاں عرب سے مراد مستعربہ (اولادِ اسماعیل علیہ السلام) ہیں۔ عرب کی دو قسمیں

ہیں:(1)عاربہ اور(2)مستعربہ۔قحطان عاربہ اور عدنان مستعربہ ہیں اور مستعربہ عرب میں عاربہ کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ نبی کریم ﷺ مستعربہ میں ہیں اور آپ ﷺ ہی نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل کو عرب میں فضیلت دی اور اولادِ اسماعیل میں کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے فضیلت دی، پس میں تمام بہتروں سے بہتر ہوں۔اور ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے ہرقل کے سوال "وہ تم میں کیسے ہیں؟" کے جواب میں فرمایا:وہ ہم میں عالی نسب والے ہیں(تو) ہرقل نے کہا:رُسُل (وانبیاء) کی بعثت ہمیشہ قوم کے صاحب حسب ونسب خاندان میں ہوتی ہے۔

(۳)"خاتم النبیّین" سے مراد "آخر النبیّین" ہے

جب مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب(متوفی:1880ء نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں لکھا:

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔(13)

تو علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اس جدید معنیٰ کی تردید میں رسالہ "التبشیر بردالتحذیر" میں لکھا:

اس کے متعلق گزارش ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خاتم النبیین کی تفسیر میں لا نبی بعدی فرما کر لفظ خاتم النبیین کے معنیٰ آخر النبیین متعین فرما دیئے۔جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے کہ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی(14) اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب بالاتفاق خاتم النبیین کے معنیٰ آخر النبیین ہی سمجھتے رہے جس کا انکار ملحدین کے سوا کوئی کلمہ گو مدعی اسلام نہیں کر سکتا۔اور آج تک امت مسلمہ کا اجماع اسی بات پر ہے کہ قولِ خداوندی وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ(15) اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ایسی صورت میں خاتم النبیّین کے معنیٰ آخر النبیّین کو عوام کا خیال قرار دینا معاذاللہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور اس وقت تک ساری امت کو عوام میں شمار کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟۔(16)

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنے استدلال کی تائید میں قاضی عیاض مالکی کی کتاب الشفا سے عبارت نقل کی ہے:

أخبر ﷺ أنه خاتم النبيين، لا نبي بعده......... وأخبر عن الله تعالى أنه خاتم النبيين، وأنه أرسل كافة للناس، وأجمعت الأمة على حمل هذا الكلام على ظاهره، وأن مفهومه المراد به دون تأويل ولا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعا إجماعا وسمعا.[17]

ترجمہ: آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شک نہیں جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔[18]

علاوہ ازیں علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی (م:1250ھ) نے فتح القدیر میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ[19] کی تفسیر میں فرمایا:

وأنه قال: أنا خاتم النبيين،وخاتم الشيء: آخره ومنه قولهم: خاتمه المسك. وقال الحسن: الخاتم هو الذي ختم به.[20]

ترجمہ: اور آپ ﷺ نے فرمایا: أنا خاتم النبيين اور خاتم الشیء سے مراد شے کا آخر ہوتا ہے اور اسی قبیل سے عرب کا قول ہے اور حضرت امام حسن بصری نے فرمایا: خاتَم وہ شے جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے۔

پس احادیث نبویہ اور اہلِ لغت کی تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ "خاتم النبیّین" سے مراد "آخر النبیّین" ہے نا کہ اس کے بر خلاف۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کے مواقع فراہم کئے

سرزمینِ خانیوال میں غیر مقلدین کے اکابرین نے امام اعظم کی شان میں تنقیص کی تو علامہ سید احمد سعید کاظمی نے خانیوال میں خطاب کے دوران غیر مقلدین کو مخاطب کر کے کہا:

ارے تم نے انہیں (امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کو) اہل الرائے کہہ کر ان پر

طعن کیا، مگر میں تو رائے کو برا نہیں سمجھتا۔ میں تو اس رائے کو برا سمجھتا ہوں جو اللہ کے فرمان کی مقابل ہو۔ ایسی رائے یقینا مذموم ہے کیونکہ وہ سیدھا دوزخ کا راستہ ہے لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کی وہ رائے نہ تھی بلکہ امام ابو حنیفہ کی رائے وہ تھی جو جنت کا راستہ دکھاتی، توحید کی راہیں روشن کرتی اور بارگاہِ رسالت کی طرف رہنمائی کرتی تھی۔ جو امام ابو حنیفہ پر اس لئے طعن کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی رائے سے کیوں کہا تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجتہد کو اپنی رائے سے کہنے کا حق ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کی بنا پر تم انہیں اہل الرائے کہتے ہو اور اس اجتہاد پر انہیں مطعون کرتے ہو تو پھر تمہارا یہ طعن تو نعوذ باللہ بارگاہِ رسالت تک پہنچے گا۔ اس لئے کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بھی اجتہاد فرمایا تھا، حالانکہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اجتہاد کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ تو وہ مقدس ہستی ہیں، جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ بارگاہِ نبوت کی اداؤں کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجتہاد نہ فرماتے تو اجتہاد کے جواز کے لئے دلیل کہاں سے آتی؟ معلوم ہوا مجتہدین کے اجتہاد کے لئے دلیل فراہم کرنے کے لئے سرکارِ دوعالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نہ صرف خود اجتہاد فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی اجتہاد کے مواقع فراہم کئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ کی جانب بھیجا اور ارشاد فرمایا: لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة[21] ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر۔ اب دیکھئے کہ ظہر، عصر کی مغائر ہے کہ نہیں ہے؟ اگر کوئی عصر کی نیت کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو کیا اسکی نماز ہو گی؟ ہر گز نہیں ہو گی کیونکہ عصر اور ہے اور ظہر اور ہے۔ اب بنو قریظہ کی جانب جس جماعت کو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بھیجا، اس کیلئے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے الفاظ بخاری میں ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر اور مسلم میں ہیں کہ تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حدیثوں میں تغایر ہے اور حدیثوں میں یہ اختلاف ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

اب امام ابو حنیفہ پر الزام لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ بتاؤ جو جماعت حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بنو قریظہ کی جانب بھیجی، اس جماعت کو آپ نے ظہر کی نماز کے بارے میں فرمایا یا عصر کی نماز کے متعلق؟ بتاؤ ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے کرو گے؟ کیا رائے کے بغیر کام چلے گا؟ ہر گز نہیں، رائے کے بغیر یقینا کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ تم رائے کے بغیر دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں کر سکتے۔

زیادہ سے زیادہ محدثین کے حوالے سے یہ کہو گے کہ دونوں حدیثیں تعدد واقعہ پر محمول ہیں یعنی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے ظہر سے پہلے بھیجا اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے اور دوسری جماعت کو حضور ﷺ نے عصر سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا، تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن میں کہتا ہوں کہ تعدد واقعہ پر کوئی دلیل لاؤ اور کوئی ایسی حدیث بھی پیش کرو، جس سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو ظہر سے پہلے بھیجا اور دوسری جماعت کو ظہر کے بعد بھیجا ہو لیکن دس ہزار مرتبہ بھی تم مر کر زندہ ہو جاؤ تو تعدد واقعہ پر تم حدیث نہیں لا سکتے۔ معلوم ہوا کہ محدثین نے یہ توجیہ اپنی رائے سے کی ہے اور رائے کو ہم مانتے ہیں، تم نہیں مانتے۔ اگر تم پاؤں چھپاتے ہو تو سر کھلتا ہے اور سر چھپاتے ہو تو پاؤں کھلتے ہیں۔ اب ہوا یہ کہ جب حضور ﷺ نے اس جماعت کو بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی وقت اتنا تھوڑا رہ گیا کہ اگر بنو قریظہ پہنچتے ہیں تو عصر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ حضور ﷺ کا تو حکم یہ ہے کہ لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة لیکن اس صورت میں تو نماز قضا ہو جاتی ہے اور اگر نماز پہلے ادا کرتے ہیں تو حضور ﷺ کی حکم عدولی ہوتی ہے۔ اب اس اختلاف کی صورت میں بعض صحابہ نے کہا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا[(22)] ترجمہ: بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ نماز فرض موقت ہے، لہٰذا وقت سے مفر نہیں کیا جائے گا اور ہم ابھی نمازِ عصر ادا کریں گے تاکہ نماز وقت پر ادا ہو جائے اور حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنی جلدی چلنا کہ نمازِ عصر بنو قریظہ جا کر ادا کرو۔ اب اتنی جلدی نہیں چلے تو یہ ہماری غلطی ہے چنانچہ ہم نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس لئے ایک جماعت نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر ادا کی، مگر کچھ صحابہ نے کہا کہ قضا اور ادا تو ہم جانتے نہیں، ہم تو حضور ﷺ کے فرمان پر عمل کریں گے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ پہنچے بغیر نہیں پڑھیں گے۔ اب صحابہ کی دونوں جماعتوں میں اختلاف ہو گیا کیونکہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور جب یہ دونوں جماعتیں یعنی اپنی رائے سے کام لینے والی حضور اکرم ﷺ کے سامنے پہنچیں تو حدیث میں آتا ہے:فلم يعنف واحدا منهم ترجمہ: حضور ﷺ نے کسی جماعت سے اظہارِ ناراضگی نہیں فرمایا۔[(23)]

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی کے استدلال کی مثل امام یحییٰ بن شرف نووی (متوفی:676ھ) کا قول المنہاج شرح مسلم بن الحجاج میں ہے:

فيه دلالة لمن يقول بالمفهوم والقياس ومراعاة المعنى ولمن يقول بالظاهر أيضا وفيه أنه لا يعنف المجتهد فيما فعله باجتهاده إذا بذل وسعه في الاجتهاد.....[24]

ترجمہ: حدیث مذکورہ بالا میں ان علماء کیلئے دلیل ہے جو نصوص کے مفہوم، قیاس اور معانی کی رعایت کے ساتھ کلام فرماتے ہیں اور ان کیلئے بھی جو فقط ظاہر عبارت سے استدلال کرتے ہیں، نیز یہ بھی کہ مجتہد کے اس عمل میں جو وہ اپنے اجتہاد سے کرے اسے عار نہ دلائی جائے بشرطیکہ وہ اجتہاد میں درستگی کو پہنچنے کی پوری کوشش کرے..... آہ۔

(۵) علماء امتِ محمدیہ، انبیاءِ بنی اسرائیل کے نائب ہیں

علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان نے مؤرخہ 10،11 اور 12 دسمبر 1955ء کو منعقدہ سالانہ کانفرنس کیلئے "تعارف جمعیۃ العلماء پاکستان" مرتب فرمایا، اس میں لکھتے ہیں:

حضرات! 1947ء کے قیامت خیز، حشر انگیز اور ہنگامہ پرور حالات و واقعات سے کون درد ملت رکھنے والا احساس مسلمان ناواقف ہے۔ پھر جسد ملت کے ہر زخم پر مرہم رکھنے کا مامور گروہ یعنی علماء دین متین کیونکر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے۔ انہیں تو دربارِ نبوت سرکار ابد قرار ﷺ سے انبیاء بنی اسرائیل کی نیابت کا عہدہ سپرد ہوا ہے كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء[25] یعنی علماء امتِ محمدیہ، انبیاءِ بنی اسرائیل کے نائب ہیں۔[26]

تجزیہ و تحقیق:

علماء امت محمدیہ کے نائبینِ انبیاء بنی اسرائیل ہونے پر ایسا استدلال علامہ سید احمد سعید کاظمی کا تفرد معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی محقق کا ایسا استدلال سامنے میں نہیں آیا۔

(۶) قربانی اللہ کے رسول کی سنّت ہے

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے مروّجہ قربانی کے خلاف لاہور میں ایک مقالہ دیکھا جس میں انکار حدیث کو بنیاد بنا کر شعارِ اسلام "قربانی" کی شدید توہین کی گئی تھی آپ نے اُس پمفلٹ کے ردّ اور مروّجہ قربانی کے دفاع میں ایک رسالہ "فلسفہ قربانی" تحریر کیا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

پاکستان ٹائمز کے مقالہ نویس نے بڑے طمطراق کے ساتھ لکھا ہے کہ "قربانی کا سنت ابراہیمی ہونا ایسی بات ہے جس کی کوئی تصدیق نہیں پائی جاتی"۔ جواباً عرض ہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ ان کے نزدیک سنت ابراہیمی کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ ملاحظہ فرمایئے! منکرین حدیث کے مقتداء اور پیشوا غلام محمد پرویز نے اپنی کتاب معارف القرآن جلد 4 ص 286 پر صاف لکھا ہے: "اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے کسی انسان کی نہیں، حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا"۔ رہا یہ امر کہ اس کی تصدیق پائی جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق سر دست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تصدیق کرنے والوں کے لئے تو اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی کے کلام فیض ترجمان میں واضح طور پر موجود ہے۔

مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قال أصحاب رسول اللهﷺ: يا رسول الله ما هذه الأضاحي؟ قال:سنة أبيكم إبراهيم(27)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔

لیکن معترضین اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ یہ حدیث رسول ہے ہم اسے نہیں مانتے، ہمیں قرآن میں اس کی تصدیق دکھاؤ۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر تصدیق کے یہی معنیٰ ہیں کہ جس بیان کی تصدیق مطلوب ہو اس کا ایک ایک لفظ قرآن کریم میں پایا جائے تو میں دعوے سے کہوں گا کہ مخالفین اپنے دعوے کی کوئی تصدیق قرآن مجید سے پیش نہیں کر سکتے۔

مثال کے طور پر اسی مسئلہ کو لے لیجئے۔ پاکستان ٹائمز کے مقالہ نویس نے لکھا ہے: "ایام حج میں صرف مکہ میں قربانی ہو سکتی ہے"۔

مقالہ نویس سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ خود اپنے ہی ارشاد کے مطابق مکہ معظمہ جا کر ایام حج میں قربانی کرنا چاہیں تو کون سے مہینے کی کن تاریخوں میں قربانی کریں گے؟ کیا قرآن کریم

سے آپ ماہِ ذی الحجہ کے نام اور اس کی مخصوص تاریخوں کی تصدیق پیش کر سکتے ہیں؟

نہیں اور یقیناً نہیں۔ پھر آپ ہی بتایئے کہ آپ کا دعویٰ خود آپ ہی کے مقرر کردہ معیار کے مطابق کہاں تک سچا ثابت ہوا؟ اگر اس کے جواب میں آپ یہ کہیں کہ ذی الحجہ کی جن تاریخوں میں عام مسلمان حج کرتے ہیں اس کی وہی تاریخیں ایام حج قرار پائیں گی تو میں عرض کروں گا کہ اگر عامۃ المسلمین کا عمل آپ کے نزدیک کوئی دلیل شرعی ہو سکتا ہے تو مروّجہ قربانی کی مخالفت آپ کیوں فرمارہے ہیں جو امت مسلمہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ذی الحجہ کی مخصوص تاریخوں میں حج کے ارکانِ مخصوصہ مکہ میں ادا کرتی رہی؟ وہی قوم عرب و عجم، مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں اپنے اپنے شہروں، قصبوں اور بستیوں میں قربانی کرتی چلی آرہی ہے۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت مسلمہ کا ایک عمل آپ کے نزدیک دلیل شرعی اور قرآن کے مطابق ہے اور دوسرا صریح گمراہی اور خلافِ قرآن، حالانکہ آپ کے معیار کے مطابق دونوں کی تصدیق قرآن کریم میں موجود نہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس مکہ معظمہ کو قربانی کی جگہ قرار دینا بھی ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی تصدیق آپ اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق قرآن کریم سے پیش نہیں کر سکتے۔ **هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ**(28) اور **ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ**(29) سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ "بیتِ عتیق" اور "کعبہ" کا ترجمہ "مکہ" نہیں۔ کعبہ مطہرہ ایک خاص گھر اور مخصوص عمارت کا نام ہے اور مکہ ایک معظم شہر کو کہتے ہیں۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ کعبہ شریف اور بیت عتیق میں آج تک کوئی قربانی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر آپ کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک کسی مسلمان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی بلکہ یہ سب قربانیاں معاذ اللہ خلافِ قرآن ہوئیں۔ اس لئے کہ قرآن کعبہ اور بیت عتیق کو قربان گاہ قرار دیتا ہے اور حضور ﷺ سے لے کر آج تک کسی نے کعبہ میں قربانی نہیں کی بلکہ وہاں کے تمام مسلمان منیٰ میں اپنی قربانیاں کرتے چلے آئے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ آپ کے دعوے کا وہ کون سا جزو ہے جس کی تصدیق آپ کے اصول کے مطابق قرآن مجید سے ہوتی ہو۔

مقالہ نویس صاحب کے اندازِ تحریر کے پیش نظر مجھے ان سے قبول حق کی کوئی امید نہیں لیکن اپنے ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ ازراہِ انصاف فیصلہ کریں کہ مقالہ نویس صاحب کا

بیان قرآن کریم کی روشنی میں کس قدر لغو اور بے معنیٰ ہے۔[30]

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی کا یہ مختصر رسالہ بہت شاندار اور پڑھنے کے لائق ہے۔ انہوں نے نہ صرف احادیث مبارکہ سے مخالفین کو مسکت جوابات دیئے بلکہ حدیث رسول ﷺ کی چاشنی سے محروم اُن بے ذوق افراد کے ذوق کے مطابق کلام فرمایااور حدیث رسول ﷺ کی حجیت اور قربانی کے ثبوت میں آیات قرآنیہ، احادیث رسول ﷺ اور لغاتِ عرب کے حوالہ جات کے انبار لگادیئے۔ پھر اپنے استدلال کی تائید میں بالخصوص آیت کریمہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ[31] ترجمہ: اے حبیب! اپنے رب کیلئے نماز پڑھو اور اسی کیلئے قربانی کرو پر جو کلام فرمایا وہ آپ کے عظیم الشان مفسر و محدّث اور حدیث رسول ﷺ کے محافظ ہونے اور فنِ حدیث میں آپ کے یدِ طولیٰ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے اپنے استدلال میں ایک عظیم الشان شعار اسلامی کا دفاع فرمایا ہے اور اسی پر اجماعِ امت ہے۔

(۷) تہجد کیلئے عشاء کے بعد سو کر اٹھنا لازمی ہے

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنی تصنیف "کتاب التراویح" میں ایک مسئلہ ذکر کیا کہ تہجد کیلئے عشاء کے بعد سو کر اٹھنا لازمی ہے۔ اس کی دلیل میں لکھتے ہیں:

> تہجد کے معنیٰ "سونے اور بیدار ہونے" کے ہیں اور یہ لفظ لغات اضداد سے ہے اسی لئے شرعاً نمازِ تہجد اُسی نماز کو کہا جائے گا جو نمازِ عشاء پڑھ کر سونے کے بعد بیدار ہو کر پڑھی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نمازِ تہجد ہمیشہ آخر شب میں پڑھی ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے: عن مسروق، قال: سألت عائشة رضي الله عنها: أي العمل كان أحب إلى النبيﷺ؟ قالت: الدائم، قال: قلت: فأي حين كان يقوم؟ قالت: كان يقوم إذا سمع الصارخ[32]
>
> ترجمہ: جناب مسروق فرماتے ہیں میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: نبی کریم ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ انہوں نے جواب دیا: وہ جو ہمیشہ کیا جائے۔ میں نے عرض کی: حضور ﷺ صلوٰۃ لیل (نماز تہجد) کیلئے کس وقت اٹھتے تھے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: حضور ﷺ مرغ کی آواز سن کر اٹھتے تھے۔
>
> یہ حدیث اس دعویٰ پر نص صریح ہے کہ حضور ﷺ نماز تہجد ہمیشہ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔

دوسری حدیث حضرت اسود سے روایت ہے بخاری شریف میں ہے: عن الأسود، قال: سألت عائشة رضي الله عنها،كيف كانت صلاة النبيﷺبالليل ؟قالت:كان ينام أوله ويقوم آخره، فيصلي، ثم يرجع إلى فراشه، فإذا أذن المؤذن وثب، فإن كان به حاجة، اغتسل وإلا توضأ وخرج۔(33)

ترجمہ: جناب اسود فرماتے ہیں: میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رات میں حضور ﷺ کی نماز کس طرح ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ اوّل رات میں سو جاتے تھے اور آخر رات میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنے بستر مبارک پر تشریف لے جاتے پھر جب موذن اذان دیتا تیزی سے اٹھتے پھر اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے۔

عینی میں ہے:وأما حديث حجاج بن عمرو فرواه الطبراني في الكبير والأوسط من رواية كثير بن العباس عنه، قال: أيحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أن قد تهجد، إنما التهجد الصلاة بعد رقدة ثم الصلاة بعد رقدة ثم الصلاة بعد رقدة، تلك كانت صلاة رسول الله ﷺ۔ (34)

ترجمہ: بہر حال حجاج بن عمرو سے بروایت کثیر بن عباس طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ تم جب بھی رات میں صبح تک نماز پڑھ لیا کرو تو تہجد کی نماز ادا ہو جایا کرے گی۔ بیشک تہجد تو وہ نماز ہے جو سونے کے بعد ہو پھر نماز سونے کے بعد تین مرتبہ اسی طرح ارشاد فرمایا اور پھر کہا کہ حضور ﷺ کی نماز اسی طرح تھی یعنی آپ ﷺ خواب سے بیدار ہو کر نمازِ تہجد پڑھا کرتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک تین مرتبہ صلوٰۃ بعد رقدۃ کا تحقق نہ ہو اس وقت تک تہجد متصور نہ ہو گا، تو میں عرض کروں گا کہ حدیث کا واضح مفہوم وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی نیند کئے بغیر اگر کوئی شخص تمام رات صبح تک بھی نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز تہجد نہ ہو گی۔ تہجد کا تحقق سونے کے بعد ہی نماز پڑھنے پر منحصر ہے اور الصلوٰۃ بعد رقدۃ کی تکرار محض تاکید کیلئے ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث منقولہ بالا و دیگر احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ ایک بار نماز تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے پھر اس وقت اٹھتے تھے جب موذن اذان دیتا تھا اور بعض روایات میں جو حضور ﷺ کا متعدد مرتبہ خواب سے بیدار

ہو کر نماز پڑھنا وارد ہے وہ بعض احوال پر محمول ہے حالانکہ نماز تہجد پر حضور ﷺ نے جمیع احوال میں مواظبت فرمائی ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کے الفاظ إنما التهجد الصلاة بعد رقدة اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ تہجد کے لئے سو کر اٹھنا ضروری ہے۔ بغیر سوئے صلوٰۃ الیل تہجد نہیں ہو سکتی۔(35)

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی کا یہ استدلال آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ اور اقوال تابعین کے عین مطابق ہے۔ آیت کریمہ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَأَقْوَمُ قِيْلاً (36) میں نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کے تحت تفسیرِ جلالین میں امام جلال الدین سیوطی (متوفی:911ھ) نے لکھا:

إن ناشئة الليل القيام بعد النوم (37)

ترجمہ: ناشئة الليل سے مراد سونے کے بعد اٹھ کر نماز قائم کرنا ہے۔

اور محمد بن صالح بن محمد عثیمین (متوفی:1421ھ) نے فتاویٰ نور علی الدرب میں لکھا:

قال العلماء وناشئة الليل هي التهجد بعد النوم.(38)

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ ناشئة الليل سے مراد سونے کے بعد اٹھ کر تہجد ادا کرنا ہے۔

اور آیتِ مبارکہ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ(39) کے تحت اپنی کتاب التفسیرالوسیط للواحدی میں امام ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی نیشاپوری شافعی (متوفی:468ھ) فرماتے ہیں:

وقال مجاهد وعلقمة والأسود: التهجد بعد النوم، قال الليث:تهجد إذا استيقظ للصلاة، وقال الأزهري: المتهجد القائم إلى الصلاة من النوم.(40)

ترجمہ: حضرت مجاہد، علقمہ اور اسود رحمہم اللہ نے فرمایا: تہجد نماز کے بعد ہے اور لیث نے کہا: تہجد تب ہی ادا ہو گی جب نماز کیلئے بیدار ہو اور ازہری نے کہا: تہجد ادا کرنے والا تو وہ ہے جو نماز کیلئے نیند سے اٹھے۔

ان تمام احادیث و روایات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت غزالئ زماں رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل درست اور دلائل شرعیہ کے مطابق ہے۔

(۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امتحان میں کامیاب ہوئے

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی ایک تقریر کے دوران ایک معترض نے تحریراً سوال کیا کہ آپ نے نمازِ ظہر کے بعد کی نشست میں خطاب کرتے ہوئے: **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى**(41) آیت کریمہ پڑھی تھی اور اس کی روشنی میں یہ کہا تھا کہ حضور ﷺ کا ہر قول وحی الہی ہے۔ اگر یہ بات اسی طرح درست ہے تو حضور ﷺ کے ہر امر کی تعمیل لازمی قرار پائی جبکہ حدیث قرطاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس موقع پر سرکار کے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: حسبناکتاب اللہ ۔ آپ مہربانی فرما کر اس آیت کریمہ کی روشنی میں اس حدیث کی وضاحت کریں۔

آپ نے جواب دیا:

حضور ﷺ نے جو فرمایا کہ مجھے کاغذ دو میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ کر دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گی۔ یہ فرمان کسی خاص شخص سے نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت جو لوگ بھی جتنے صحابی اور اہل بیت سے جتنے مقدس نفوس وہاں تھے، ان سب سے خطاب تھا۔ حضور ﷺ پر اس وقت بتقاضائے بشریت بیماری کا غلبہ تھا۔ حضرت عمر نے سرکار کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے عرض کی: وعندنا کتاب اللہ وھو حسبنا(42) ترجمہ: اور ہمارے پاس کتاب اللہ ہے جو ہمیں کافی ہے۔ یہ گزارش حضور ﷺ کی نافرمانی نہ تھی بلکہ کسی خاص شخص کو مخاطب کئے بغیر یہ فرمان دراصل مخاطبین کا امتحان تھا۔ حضور ﷺ چونکہ چشم عالم سے روپوش ہونے والے تھے اور سفر آخرت پر روانہ ہونے کو تھے۔ اس لئے یہ اطمینان ضروری تھا کہ وہ حضرات صحابہ کرام جو ہر مشکل کے حل کیلئے سرکار ﷺ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ سرکار کے پردہ فرمانے کے بعد اپنے مسائل کے حل اور مشکلات کی آسانی کے لئے الہامی تعلیمات اور فرامین نبوی کی روشنی میں امت مسلمہ کی رہنمائی کر سکیں گے۔ حضور ﷺ کے فیض صحبت سے ان میں یہ استعداد اور صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول سے تمام پیش آنے والے مسائل حل کر سکیں۔ اس وقت آپ کے پاس موجود افراد میں وہ لوگ بھی موجود تھے جو آپ کی نیابت کرنے والے اور مسند خلافت پر جلوہ فگن ہونے والے تھے۔ آپ کی صحبت کے انوار اور نور نبوت کی روشنی نے ان کے سینوں کو چمکا دیا تھا۔ اگر آپ کی نیابت کرنے والے اس اہل نہ ہوتے کہ آئندہ پیش آنے والے جملہ معاملات و مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کر سکیں تو اس کا مطلب تو معاذ اللہ یہ ہوگا کہ آپ دین کو ختم کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کیلئے آپ ﷺ نے خدا کے فرمان کے مطابق کہا کہ

کاغذ لاؤ میں تمہیں ایسا نوشتہ دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گا تاکہ آپ کے اس فرمان کے جواب میں آپ کے صحابیوں میں سے کوئی بول اٹھے اور عرض کرے کہ سرکار! آپ ہم سے اس عالم میں رخصت نہیں ہو رہے جب ہمیں اپنی آئندہ زندگی اور بنی نوع آدم کی فلاح کے لئے کسی مزید حکم کی ضرورت ہو بلکہ آپ نے ہم میں وہ نور بصیرت پیدا فرما دیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔ مقصد وحی اور منشائے نبوت حضرت عمر کے حسبنا کتاب اللہ کہنے سے پورا ہو گیا، وگرنہ حضرت عمر کی اس گزارش کے بعد سرکار مزید اصرار فرماتے اور ان کو جھڑک دیتے کہ میں تم سے کاغذ مانگ رہا ہوں اور تم میرے حکم کی تعمیل کی بجائے اپنی لیاقت و قابلیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو۔ میں نبی ہوں، وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں، وہ تم از خود کیسے جان سکتے ہو؟ اور پھر اس مقام پر سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عثمان غنی اور مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کا حضرت عمر کی بات کے جواب میں سکوت اختیار کرنا اور تکرار نہ کرنا اس بات کو مزید تقویت پہنچاتا ہے کہ یہ عالی مرتبت ہستیاں بھی منشائے رسالت کو پا چکی تھیں اور گویا حضرت عمر نے ان سب کی ترجمانی کی تھی کیونکہ سرکار کا فرمان ہے: إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه.[43]

ترجمہ: بے شک اللہ نے عمر کے قلب و زباں پر حق جاری فرما دیا ہے۔

اگرچہ چند صحابہ نے حضرت عمر سے اختلاف ضرور کیا لیکن وہ عظمت و شان کے حامل ہونے کے باوجود اس مقام پر نہ پہنچے تھے جو ان اکابر صحابہ کرام کا مقام تھا۔ اس لئے ان کا اختلاف در اصل مشورے پر مبنی سمجھا جائے گا اور اکابر صحابہ کا سکوت حضرت عمر کے قول کی تصدیق متصور ہو گا اور نہ خود سرکار نے انہیں سرزنش فرمائی، اس لئے بعض صحابہ کے اختلاف کا وہ مفہوم نہیں ہو گا جو معترض نے سمجھا ہے۔(44)

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی استدلال مذکور کو ان احادیث مبارکہ سے استنباط میں منفرد ہیں حتیٰ کہ علامہ غلام رسول سعیدیؒ (متوفی:1437ھ) سمیت معاصر شارحین حدیث نے بھی حدیثِ قرطاس پر اعتراضات کے جوابات میں ایسا استدلال پیش نہیں کیا، راقم الحروف کی تحقیق یہی ہے۔ البتہ الشاہ امام احمد رضا خان محدّث بریلی (متوفی:1340ھ) کے نعتیہ کلام "مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ پہ لاکھوں سلام" کے اشعارِ درج ذیل میں آخری شعر سے مفہوماً استدلالِ غزالیِ زماں کی توثیق موجود ہے۔ فرمایا:

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اُس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فاروقِ حق وباطل امامُ الہدیٰ — تیغِ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی — جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام[45]

خلاصہ کلام:

اللہ رب العزت نے علامہ سید احمد سعید کاظمی کو استخراج واستنباط کا وہ ملکہ عطا فرمایا کہ آپ کا ہر استدلال یا تو اکابرینِ امت محمدیہ کے اقوال کی روشنی میں درست ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ درج بالا استدلالات کی تائیدات میں یہاں اکابر مفسرین، محدثین اور محققین کے اقوال پیش کئے گئے) یا وہ استدلال آپ کا تفرد بن گیا ہے اور آپ کے بعد والوں میں کسی کو اس کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی (جیسا کہ استدلال نمبر 5 "علماء امتِ محمدیہ، انبیاءِ بنی سرائیل کے نائب ہیں"، استدلال نمبر 6 "قربانی اللہ کے رسول کی سنّت ہے" اور استدلال نمبر 8 "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امتحان میں کامیاب ہوئے" میں واضح ہے)۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی فقاہت و بصیرت ایسی شاندار تھی کہ جس علم سے چاہتے اپنے موقف پر استخراج کر لیتے۔ میں یہاں علم منطق سے آپ کا ایک استدلال بطورِ مثال پیش کرتا ہوں جو آپ کے ملکہ استنباط کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

علم منطق کا مشہور قاعدہ ہے کہ "اجتماعِ نقیضین (دو متضاد اشیاء کا جمع ہونا) محال ہے" لیکن علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنے کلام میں اس محال کو بھی ممکن ثابت فرما دیا۔ رسالہ معراج النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:

> معراج شریف کا محال ہونا اس کے وقوع کی دلیل ہے، میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر فلاسفہ سفر معراج شریف کے استحالہ پر دلائل قائم نہ کرتے تو ہمارا مدعا ثابت نہ ہوتا۔ اس لئے کہ ہم معراج کو حضور ﷺ کا معجزہ کہتے ہیں اور معجزہ وہی ہے جس کا وقوع عادتاً محال ہو اور منکرین کو عاجز کرنے کے لئے ضروری تھا کہ پہلے اس کے استحالہ عادیہ کو ثابت کیا جائے تاکہ قدرت ایزدی سے اس کا ظہور و وقوع معجزہ قرار پا سکے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے تو ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھنے کے باوجود معراج کے محال ہونے پر دلیلیں قائم کرے۔ لہٰذا جس اللہ نے اپنی قدرت سے معراج جیسے محال کو ممکن نہیں بلکہ واقع کر دیا۔ اسی قادرِ مطلق نے اپنی قدرتِ کاملہ سے فلاسفہ جیسے ملحدین اور بے دین لوگوں سے اس کے استحالہ پر دلیلیں قائم کرا دیں تاکہ ادعاء استحالہ کے بعد اس کا وقوع اس کے معجزہ ہونے کی دلیل قرار پا سکے، وللہ الحجة

السامیۃ۔(46)

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اس جملے (معراج شریف کا محال ہونا ہی اس کے واقع ہونے کی دلیل ہے) میں ضدّین کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ جمع کر کے دکھادیا کہ یونانی فلسفہ کا سارا غرور ایک ہی فقرے میں خاک آلود ہو گیا۔ آخر کون ثابت کر سکتا ہے کہ محال بھی واقع ہو سکتا ہے؟

حواشی اور حوالہ جات

([1])ابنِ ماجہ، محمد بن یزید(م:273ھ)، السنن، ج:1، ص:281، ک:اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ، ب: من بلغ علما، ح:230، ط:دارالتاصیل، بیروت، 1435ھ/2014ء۔

([2])الانعام6:103۔

([3])قشیری، مسلم بن حجاج، (م:261ھ)، المسند الصحیح، ج:2، ص:226، ح:486، ب:مایقال فی الرکوع والسجود، ط:دارالتاصیل، بیروت، 1435ھ/2014ء۔

([4])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:1، ص:185، ر:معراج النبی ﷺ، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2017ء۔

([5])الاسراء17:85۔

([6])طٰہٰ20:110۔

([7])ملا علی قاری، علی بن محمد، ابو الحسن نور الدین ہروی (م:1014ھ)، الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود، ص:1، دار المأمون للتراث، دمشق، 1415ھ/1995ء۔

([8])عبدالرحمن بن ناصر بن براک بن ابراہیم البراک، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص:196، ب: عجز الخلق عن الاحاطۃ باللہ، ط:دار التدمریۃ، 1429ھ/2008ء۔

(9)راقم الحروف کو بخاری شریف میں یہ حدیث پاک بالفاظ تبعث الانبیاء فی احساب قومھم نہیں ملی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

(10)ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، (م:279ھ)، الجامع الکبیر، ج:4، ص:438، ح:3951، ک:المناقب، ب:ما جاء فی فضل النبی ﷺ، ط:دارالتاصیل، بیروت، 1437ھ/2016ء۔

(11)کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:1، ص:23: تعارفِ مصنّف (سید احمد سعید کاظمی) علامہ غلام رسول سعیدی، ط:کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2017ء۔

(12)عاصمی نجدی، عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم(م:1392ھ)، حاشیۃ الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبدالوھاب، ص:127، معرفۃ نبیکم، ش:1، ط:دارالزاحم(شاملہ)، 1423ھ/2002ء۔

([13])نانوتوی، محمد قاسم(م:1880ء)، تحذیر الناس، ص:14، ط:حجۃ الاسلام اکیڈمی، 1438ھ/2017ء۔

([14])طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد(م:360ھ)، المعجم الاوسط، ج:3، ص:318، ح:3274، ط:دارالحرمین، قاہرہ، س،ن۔

([15])الاحزاب33:36۔

([16])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:2، ص:312و313، ر:التبشیر بردّ التحذیر، ط:کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2018ء۔

([17])قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی(م:544ھ)، الشفا، ج:2، ص:610، ف:ما ھو من المقالات کفر، ط:دارالفیحاء، عمان، 1407ھ۔

([18])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:2، ص:312، ر:التبشیر بردّ التحذیر، ط:کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2018ء۔

([19])الاحزاب33:36۔

([20])شوکانی، محمد بن علی بن محمد(م:1250ھ)، فتح القدیر، ج:4، ص:327، آیت:ماکان محمد ابا احد، ط:دار ابن کثیر، دمشق ودار الکلم الطیب، بیروت، 1414ھ۔

(21)بخاری، محمد بن اسماعیل(م:256ھ)، الجامع الصحیح، ج:2، ص:45، ح:956، ک:صلاۃ الخوف، ب:صلاۃ الطالب والمطلوب راکباوایماء، ط:دارالتاصیل، بیروت، 2012ء۔

([22])النسآء4:103۔

([23])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، خطباتِ کاظمی، ج:1، ص:164 تا167، ر:امام اعظم بحیثیت محدث اعظم، ط:کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2018ء۔

(24)نووی، یحیٰی بن شرف(م:676ھ)، المنہاج شرح صحیح مسلم، ج:12، ص:98، ح:1771، ک:الجہادوالسیر، ب:ردالمہاجرین الی الانصار...، ط:داراحیاء التراث العربی، 1392ء۔

(25)بخاری، محمد بن اسماعیل(م:256ھ)، الجامع الصحیح، ج:4، ص:449، ح:3453، ک:بدءالخلق، ب:ماذکر عن بنی اسرائیل، ط:دارالتاصیل، بیروت، 2012ء۔

(26)بخاری، محمد بن اسماعیل(م:256ھ)، الجامع الصحیح، ج:4، ص:449، ح:3453، ک:بدءالخلق، ب:ماذکر عن بنی اسرائیل، ط:دارالتاصیل، بیروت، 2012ء۔

(27)ابنِ ماجہ، محمد بن یزید(م:273ھ)، السنن، ج:3، ص:240، ح:3145، ک:الاضاحی، ب:ثواب الاضحیۃ، ط:دارالتاصیل، بیروت، 1435ھ/2014ء۔

(28)المائدہ5:95۔

(29)الحج22:33۔

(30)کاظمی،علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی،ج:1،ص:459تا461،ر:فلسفہ قربانی،ط:کاظمی پبلی کیشنز،ملتان،2017ء۔

(31)الکوثر108:2۔

(32)بخاری،محمد بن اسماعیل(م:256ھ)،الجامع الصحیح،ج:8،ص:273،ح:1138،ک:الرقاق،ب:القصد والمداومۃ، دارالتاصیل،بیروت،2012ء۔

(33)بخاری،محمد بن اسماعیل(م:256ھ)،الجامع الصحیح،ج:2،ص:158،ح:1153،ک:التہجد باللیل،ب:من نام اول اللیل،دارالتاصیل،بیروت،2012ء۔

(34)عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی(م:855ھ)،عمدۃ القاری،ج:7،ص:295،ب:قیام النبی باللیل،دارالکتب العلمیہ،بیروت،1421ھ/2001ء۔

(35)کاظمی،علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی،ج:1،ص:482و483،ر:کتاب التراویح،ط:کاظمی پبلی کیشنز،ملتان،2017ء۔

(36)المزمّل73:6۔

(37)سیوطی،جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر(م:911ھ)و محلّی،جلال الدین محمد بن احمد(م:864ھ)،تفسیر الجلالین،ص:773،دارالحدیث،قاہرہ،س،ن۔

(38)عثیمین،محمد بن صالح بن محمد(م:1421ھ)،فتاویٰ نور علی الدرب،ج:8،ص:2،ب:بارک اللہ فیکم متی یبدأ وقت التہجد،سن ندارد۔

(39)الاسراء17:79۔

(40)واحدی،علی بن احمد(م:468ھ)،الوسیط فی تفسیر القرآن المجید،ج:،ص:،الاسراء17:79،دارالکتب العلمیہ،بیروت، 1415ھ/1994ء۔

(41)النجم53:3۔

(42)بخاری،محمد بن اسماعیل(م:256ھ)، الجامع الصحیح،ج:5،ص:466،ح:4414،ک:المغازی،ب:مرض النبی ﷺ ووفاتہ،ط:دارالتاصیل،بیروت،2012ء۔

(43)ترمذی،ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ،(م:279ھ)،الجامع الکبیر،ج:4،ص:475،ح:4033،ک:المناقب،ب:مناقب ابی

حفص عمر بن الخطاب، ط: دار التاصیل، بیروت، 2016ء۔

([44])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، خطباتِ کاظمی، ج:1، ص:209، ر: ایتونی بقرطاس، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2018ء۔

([45])اعلیٰ حضرت، احمد رضا خان بن نقی علی خان فاضل بریلی(م:1340ھ)، حدائقِ بخشش، ص:312، ع: مصطفیٰ جانِ رحمت پہلاکھوں سلام، ط: مکتبۃ المدینہ، کراچی، 2012ء۔

([46])کاظمی، علامہ سید احمد سعید(م:1406ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:1، ص:150، ر: معراج النبی ﷺ، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، 2017ء۔